سلسلۂ مطبوعات مجلس
۱۷۵

اسلام اور مغرب

وہ مقالہ جو ۲۲ جولائی ۱۹۸۳ء کو آکسفورڈ یونیورسٹی انگلستان میں ایک عمومی جلسہ میں پڑھا گیا، جس میں یونیورسٹی کے پروفیسران، فضلاء اور دانش وروں کی ایک تعداد شریک تھی۔

از

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام۔ لکھنؤ

بار دوم

۱۴۲۲ھ ——— ۲۰۰۱ء

کتابت ——— حفیظ الرحمٰن حامد

طباعت ——— کاکوری آفسٹ پریس

صفحات ——— ۳۲

قیمت ——— =/۸ روپیے

تعداد ——— ایک ہزار

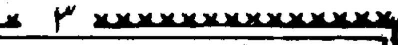
باہتمام

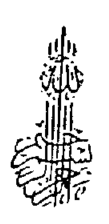
محمد غفران ندوی

ناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(ندوۃ العلماء)





پیش لفظ

وسط رجب ۱۴۰۳ھ (اوائل مئی ۱۹۸۳ء) کی کوئی تاریخ تھی کہ فاضل گرامی پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی صدر شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا (جن کے صاحبزادہ عزیز گرامی فرحان احمد نظامی چار سال سے آکسفورڈ یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کی تیاری میں مشغول تھے[1]) اچانک خط ملا کہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں جو برطانیہ کی عظیم ترین اور دنیا کی ایک مشہور ترین

---

[1] ۱۶ مئی ۸۳ء کو ان کو یونیورسٹی کی طرف سے ڈی فل کی ڈگری مل گئی، ان کے تحقیقی مقالہ کا عنوان ہے "مسلمان فضلاء و مشائخ نے ہندوستان میں برطانوی حکومت کے اثرات کا ۱۸۰۳ء۔ ۱۸۵۷ء کی درمیانی مدت میں کس طرح مقابلہ کیا اور اس کے لیے کیا تدبیریں اختیار کیں؟"

یونیورسٹی ہے، ایک اسلامی مرکز (ISLAMIC CENTRE) کے قیام کو سونچا جا رہا ہے، یہ یونیورسٹی کی ساڑھے سو سال کی تاریخ میں پہلا موقع ہے کہ اسلام کے مطالعہ، اس پر بحث و تحقیق اور اس سے فضلائے مغرب اور طالبین کو روشناس کرنے کے لیے اس خالص مسیحی علمی و تعلیمی ماحول و مرکز میں ایک سنجیدہ قدم اٹھایا جا رہا ہے، اس تحریک میں (ST. CROSS COLLEGE) کے پروفیسر اور وائس پرنسپل (DR. D. G. BROWNING) (جن سے ڈاکٹر فرحان نظامی کا خاص ربط و تعلق رہا ہے) پیش پیش ہیں، ڈاکٹر براوننگ کی شدید خواہش ہے کہ آپ اس کارِ خیر میں شریک ہوں، اس کی تاسیس اور اس کے مقاصد و دستور العمل کی ترتیب میں مدد دیں، اور "اسلام و مغرب" کے عنوان پر مقالہ بھی پڑھیں۔

میرے لیے اس دعوت کے قبول کرنے میں متعدد مشکلات و موانع تھے، ایک تو یہ کہ اس کی تاریخیں رمضان المبارک کے فوراً بعد پڑ رہی تھیں، اور میرے لیے عید کے دوسرے تیسرے ہی دن سفر کرنا ضروری تھا، دوسرے یہ تاریخیں الجزائر (ALGERIA) کے مشہور شہر قسنطینہ میں منعقد ہونے والے سیمینار "الملتقی السابع عشر للفکر الاسلامی" کی تاریخوں سے ٹکراتی تھیں، جس کا موضوع "اجتہاد" تھا، اور میں اس میں شرکت کا وعدہ کر چکا تھا، اور اس کے لیے مضمون تیار کر رہا تھا، گذشتہ سال تلمسان (الجزائر) میں منعقد ہونے والے اس سیمینار میں شرکت کر چکا تھا اور یہ مقالہ

پڑھ چکا تھا، جو "سنّت" کے موضوع پر منعقد ہوا تھا، اس سیمینار کی خصوصیت ہے کہ اس میں عرب فضلاء، مفکرین و داعی اتنی بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں، جتنی بڑی تعداد میں عالم اسلام بالخصوص عالم عربی میں منعقد ہونے والی کم مجالس مذاکرہ اور علمی کانفرنسوں میں شریک ہوتے ہیں، میں نے پروفیسر نظامی کو اپنی اس دقت سے آگاہ کیا، اور انھوں نے زیر تجویز مرکز کے ذمہ دار و داعی پروفیسر براؤننگ کو اس کی اطلاع کی تو انھوں نے اس کی تاریخیں ۱۵، ۱۶، ۱۷ جولائی سے بڑھا کر میری سہولت کے لیے ۲۱، ۲۲، ۲۳ جولائی کر دیں، میری ان کی دعوت کے قبول کر لینے کے شکریہ میں ان کا ایک بڑا مسرّت و تشکر آمیز خط آیا، جس میں انھوں نے میری منظوری اور سفر کی آمادگی کو بڑی اہمیت دی اور میری حقیر تصنیفات اور تحریروں سے جن پر ان کی نظر پڑی تھی، اپنے تأثر کا اظہار کیا، اب میرے لیے شرکت میں کوئی عذر نہیں رہا اور اخلاقی طور پر بھی اس رعایت و لحاظ خصوصی کی وجہ سے شرکت ضروری ہو گئی، انھوں نے میری اور شرطیں بھی منظور کیں، میرے رفیق سفر عزیزی مولوی محمد رابع ندوی کے سفر کے لیے بھی انتظامات کیے اور ہم دونوں کے فرسٹ کلاس کے ٹکٹ اوائل رمضان (اواخر جون) ہی میں بھیج دیئے، اتفاق سے الجزائر کے سیمینار کی تاریخیں بدل گئیں اور آکسفورڈ کی تاریخوں سے ان کا پھر تعارض ہو گیا، اب مجھے فیصلہ کرنا تھا کہ کس کو ترجیح دی جائے، میں نے آکسفورڈ کی مجلس کی

افادیت و انفرادیت کے پیش نظر آکسفورڈ کی دعوت کو ترجیح دی اور الجزائر کی وزارت امور مذہبی کو (جس کے اہتمام میں یہ سیمینار ہونے جا رہا تھا) معذرت کا تار اور مضمون جو اس کے لیے تیار کیا گیا تھا بھیج دیا۔

آکسفورڈ کی دعوت قبول کرنے کا اصل باعث و محرک یہ تھا کہ عرصۂ دراز سے میری یہ تمنّا تھی کہ مجھے ایک بار اپنی زندگی میں مغربی دانشوروں کی کسی چیدہ مجلس میں اسلام و مغرب کے تعلّق سے اپنے خیالات ظاہر کرنے اور اسوۂ نبوی کے اتباع میں "یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ[1]" کی دعوت پیش کرنے کی سعادت و عزّت حاصل ہو اس دعوت کے قبول کرنے میں اس تمنّا کی صورت تکمیل کی نظر آئی، اور میں نے کمزوری صحت، بُعدِ مسافت اور شدّتِ مشغولیت کے باوجود توکلاً علی اللہ اس کو قبول کر لیا، اور باوجود اس کے کہ میں ماہ مبارک میں لکھنے لکھانے کے کام کا عادی نہیں، اور وہ مجھے ہمیشہ دشوار معلوم ہوا۔ "اسلام اور مغرب" کے عنوان پر ایک مضمون تیار کر لیا، اور روانگی سے ایک دو روز پہلے بڑی عجلت میں اس کا انگریزی ترجمہ بھی تیار اور ٹائپ ہو گیا، جس کے لیے محب محترم سید محی الدین صاحب (جو میری متعدد کتابوں کے مترجم ہیں) خاص طور پر تشکر کے مستحق ہیں کہ بہت تھوڑے وقت میں انھوں نے یہ کام انجام دیا[2]۔

---

[1] یہ آیت اس فرمانِ نبویؐ میں آئی ہے جو شہنشاہ روم قیصر ہرقل اول کے نام بھیجا گیا تھا، (سورہ آل عمران۔ ۶۴) [2] عربی ترجمہ عزیز القدر مولوی سید سلمان ندوی کے قلم سے ہے جو علاحدہ رسالہ کی شکل میں شائع ہوگا۔

میں عزیزی محمد رابع ندوی سلّمہ کی معیت میں یوم چہار شنبہ ۲۰ / ۲۱ / جولائی کی درمیانی شب میں ۳ بجے (PAN AMERICAN) جہاز سے دہلی سے لندن کے لیے روانہ ہوا، پنجشنبہ ۲۱ / جولائی کو ۱۲ بجے دوپہر کو ہم (HEATHROW AIRPORT) لیھرو ایرپورٹ لندن پہنچے، ڈاکٹر براؤننگ، فرحان نظامی صاحب کے ساتھ اپنی کار لیے موجود تھے، اور اسی وقت وہ آکسفورڈ لے گئے، میرے علاوہ پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب ۱۴ / جولائی ہی کو آکسفورڈ پہنچ گئے تھے، تاکہ اس کانووکیشن میں شرکت کرسکیں جس میں ان کے صاحبزادہ فرحان نظامی صاحب کو ڈی، فل کی ڈگری ملنے والی تھی، پاکستان سے اس مجلس میں شرکت کرنے کے لیے پاکستان کے مشہور ماہر قانون اور انگریزی کے خطیب محترمی اے۔کے بروہی صاحب (سابق وزیر امور مذہبی حکومت پاکستان وچانسلر اسلام آباد یونیورسٹی) تشریف لائے تھے، عمان میں قائم ہونے والی یونیورسٹی کا منصوبہ بنانے والے اور امین عام شیخ عامر علی عمیر بھی مدعو تھے۔

ہمارا قیام (MERTON COLLEGE) میں تھا، قیام کے دن (۲۱ / ۲۲ / ۲۳ / جولائی) سخت مشغولیت میں گزرے، روزانہ یونیورسٹی کے کسی نامور کالج کے پرنسپل کی طرف سے (BUFFET DINNER) اور لنچ کا انتظام تھا، جس میں استقبالیہ تقریر بھی ہوتی، ۲۲ / جولائی کو (MAGDALEN COLLEGE) کے پرنسپل (DR. K. B. GRIFFIN) کی طرف سے لنچ کا

انتظام تھا، ۲۲ر جولائی کو یونیورسٹی کے وائس چانسلر (MR. G. J. WARNOCK) کی طرف سے (HERTFORD COLLEGE) میں مہمانوں کا استقبال اوران کے اعزاز میں چائے تھی، اسی دن (MERTON COLLEGE) میں ڈاکٹر (J. BADENOCK) پروفیسر میڈلسن کی طرف سے ڈنر تھا، ۲۳ر جولائی کو یونیورسٹی کی عظیم الشان لائبریری (BODLEIAN LIBRARY) کی اس کے ناظم وسکریٹری (DR. C. M. MOULD) کی رہنمائی میں سیر اور معائنہ تھا، اس موقع پر اسلامیات پر قدیم کتابیں اور عربی مخطوطات سامنے لائے گئے تھے، جن میں ساتویں آٹھویں صدی ہجری کی نادر قلمی کتابیں بھی تھیں، جو ممالک عربیہ سے یہاں منتقل ہوئیں، اس کے بعد نہ صرف آکسفورڈ بلکہ برطانیہ کے ایک عظیم کتب فروش (BLACKWELL) کی دوکان کی اس کے مالک (MR. R. M. BLACK WELL) کی رہنمائی میں سیر اور اسلامی مطبوعات کا معائنہ کیا تھا، اس تجارتی مکتبہ میں دو ہزار آدمی کام کرتے ہیں، اور اس کا برطانیہ کے عظیم ترین ناشرین اور تجارتی مکتبوں میں شمار ہے، اسی دن ۱/۲ ۱۲ بجے ظہر کو (BUFFET LUNCH) کا انتظام تھا، شام کو ۷ بجے (ST. CROSS COLLEGE) میں اس کے پرنسپل (G. H. STAFFORD) کی طرف سے آخری ڈنر تھا، یہ بات قابل ذکر اور اعتراف وتشکر کی مستحق ہے کہ ان سب کھانوں اور اجتماعات میں اس کا پورا اہتمام رکھا گیا تھا کہ کوئی چیز اسلام

کی تعلیمات اور اس طبقہ کے ذوق و مسلک کے خلاف نہ ہو جس سے میرا تعلق تھا، یہ تقریبات ان بہت سی تقریبات سے زیادہ شائستہ، سنجیدہ اور خلاف اسلام عناصر سے پاک تھیں جو ترقی یافتہ (PROGRESSIVE) مسلمان بہت سے مسلم ممالک میں منعقد کرتے ہیں۔

۲۲ر جولائی کو ۱۰ بجے دن کو اکزامنیشن ہال میں عمومی مجلس تھی، جس میں بیرونی مہمان اور مقامی فضلاء اور دانشور خصوصی طور پر مدعو تھے، یہ مجلس حاصل سفر تھی، جلسہ کی صدارت و قیادت (CONDUCT) ڈاکٹر براوننگ نے کی، ڈائس پر راقم سطور، مسٹر بروہی، شیخ عامر علی عمیر اور پروفیسر خلیق احمد نظامی تھے، پہلے ڈاکٹر براوننگ نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا جس کے آغاز میں راقم سطور کی حاضری کا خصوصی تذکرہ اور اس تعارف تھا، خطبہ کے بعد انھوں نے مجھ سے جلسہ کو چند منٹ عربی خطاب کی دعوت دی کہ سامنے کی بینچوں پر متعدد عرب فضلاء و اعیان تشریف رکھتے تھے، میں نے خطبۂ مسنونہ کے بعد کہا کہ میں اس وقت اس خاص زبان میں خطاب کرنے کی جرأت کر رہا ہوں جس کے ذریعہ سے (اسپین کے راستہ سے) اس ملک میں قدیم علمی ترکہ (فلسفہ و حکمت، ریاضی و طب) منتقل ہوا، اس نے مغرب کو جو سب سے بڑا علمی تحفہ دیا وہ حقیقت پسندی اور منطق استقرائی (INDUCTIVE LOGIC) کا تحفہ تھا اور جس نے قیاس و استخراج (DEDUCTIVE LOGIC) کی جگہ لی، جس نے مغرب کے

طریقِ فکر کا رُخ ہی بدل دیا، اور اس کے نتیجہ میں سائنس اور ٹکنالوجی کو ترقی کرنے کا موقع ملا، میں نے یہ بھی کہا کہ ایک زمانہ تھا، جب آپ کے ملک کے حکمراں و دانشور ہمارے ملک میں اپنی زبان (انگریزی) میں خطاب کرتے تھے، آج میں ان کو اسلام کی سرکاری اور عالمی و علمی زبان (عربی) میں خطاب کر رہا ہوں "وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ"

اس افتتاحی خطاب کے بعد ڈاکٹر فرحان نظامی نے میرا مضمون (ISLAM & THE WEST) پڑھ کر سنایا، جس کا اصل اردو متن اس رسالہ میں پیش کیا جا رہا ہے یہ مضمون جو خاصا طویل تھا، سنجیدگی و توجہ سے سنا گیا، اس کے بعد مسٹر بروہی، شیخ عامر علی اور پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنے مقالے پیش کئے، اور توجہ سے سنے گئے، اس پر جلسہ کا اختتام ہوا، اور مہمان خصوصی لنچ پر گئے، اس کے بعد ہم لوگوں نے آکسفورڈ کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کی، اور اپنی اپنی قیام گاہوں میں آگئے، ۲۳ر اور ۲۴ر جولائی کو خاصا وقت اس زیر تجویز اسلامی مرکز کے بارے میں بنیادی باتیں طے کرنے اور اس کے مقاصد و ضوابط پر مشورہ کرنے میں صرف ہوا، اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ ڈاکٹر فرحان نظامی اس کے پہلے ڈائرکٹر اور ڈاکٹر براؤننگ اس کے پہلے رجسٹرار ہوں گے، مہمان خصوصی جو اس موقع کے لیے مدعو کیے گئے تھے، وہ اپنا مشورہ تحریری طور پر پیش کر دیں گے، اور دستور کو قطعی و آخری شکل دینے کے لیے پھر

مجلس بلائی جائے گی، یہ بھی طے ہوا کہ اس کے ارکان میں ہمیشہ مسلمان فضلاء کی اکثریت ہوگی، تاکہ اس کا اسلامی مزاج برقرار رہے، اور وہ کسی غلط مقصد یا گروہ کا آلۂ کار نہ بننے پائے، یہ سب امور اتفاق آراء سے اور ایک خوشگوار اور پُراز اعتماد فضا میں طے ہوئے، والغیب عند اللہ تعالیٰ۔

۲۴ر جولائی یکشنبہ کی مجلس مذاکرہ و مشورہ کے بعد ہم لوگ اس کام سے فارغ ہو گئے، اور آکسفورڈ سے لندن منتقل ہو گئے، میرا اپنے رفیق سفر عزیزی محمد رابع ندوی کے ساتھ مزید چھ دن اور انگلستان میں قیام رہا[1]، جس کے دوران ہم نے (MID LAND) کے اہم اسلامی سنٹر، عظیم مساجد، مشہور تبلیغی مراکز اور مسلمانوں کی بڑی آبادیوں کے قصبات کا دورہ کیا، اور وہاں خطاب کی بار بار نوبت آئی، اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے لیسٹر (LEICESTER) گئے، جہاں ہم نے اسلامک فاؤنڈیشن کا تفصیل سے معائنہ کیا اور وہاں کے کارکنوں سے خطاب بھی کیا، پھر عرب طلباء کے کیمپ (معسکر) میں آئے جہاں ڈھائی

---

[1] ہمارا قیام عزیزی مسرور احمد لکھنوی ڈائرکٹر مسلم ویلفیر سنٹر کے مکان واقع ۱۳۲ لیکن فیلڈ روڈ (LECON FIELD RD) پر رہا، ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۹ء کے قیام انگلستان میں بھی انھیں کے یہاں قیام رہا تھا۔

تین سو عرب طلباء اور نوجوان جمع تھے، یہاں عربی میں مفصل خطاب کیا، اس کے بعد نیو نیٹن، بولٹن کے دار العلوم، ڈیوزبری کے تبلیغی مرکز، لیڈس (LEEDS) اور گلاسگو آئے، ہر جگہ مسلمانوں اور دوستوں نے گرمجوشی، خلوص و محبت اور طلب و شوق کے ساتھ استقبال کیا، خطابات کا مشترک موضوع برطانیہ میں قیام کرنے والے مسلمانوں کی ذمہ داری، صحیح طریق عمل اور خطرات و فوائد کی نشاندہی تھی، لندن میں بیکر اسٹریٹ کے عظیم اسلامک سنٹر میں راقم کی عربی میں تقریر ہوئی، اور وہاں کے عرب منتظمین نے پرجوش خیر مقدم اور پرتکلف ضیافت کی، لندن کے تبلیغی مرکز میں بھی پنجشنبہ کو ایک مبسوط تقریر اور اگلے دن جمعہ کی نماز ادا کی، آخری دن شنبہ کو (INDIAN MUSLIM FEDERATION) کے ہال میں اردو تقریر ہوئی جس میں اطراف و جوانب کے لوگ بھی کثیر تعداد میں شریک تھے، اس کے اگلے ہی دن یکشنبہ ۳۱ رجولائی کو ½ ۹ بجے پان امریکن طیارہ سے دہلی کے لیے واپسی ہوئی۔ وللّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ۔

اس سفر کی اصل سوغات "اسلام و مغرب" کا اصل اردو متن جو اسی سفر اور اس کی خصوصی مجلس کے لیے رمضان المبارک کی آخری تاریخوں میں عجلت کے ساتھ اور سخت مصروفیت میں تیار کیا گیا تھا، قارئین کے سامنے پیش ہے کہ اس میں صرف دانشورانِ مغرب

ہی کے لیے غور و فکر کرنے کا سامان نہیں، خود مسلمان دانشوروں، دین کے داعیوں اور مسلم فضلاء کے لیے بھی سامان عبرت و موعظت ہے،

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيلِ۔

ابوالحسن علی

۳۱ جولائی فرانکفرٹ ایرپورٹ (جرمنی)

اسلام اور مغرب

حضرات!

میں سب سے پہلے آپ کی اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ایک ایسی مؤقر مجلس میں شرکت و خطاب کی دعوت دی جو ایک فکر انگیز و خیال افروز موضوع "اسلام اور مغرب" پر فکر و بحث کے لیے دنیا کی مشہور، قدیم و مؤقر دانش گاہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے زیر سایہ اور پہلو میں منعقد ہو رہی ہے، میں خاص طور پر ڈاکٹر ڈی۔ جی براؤننگ (DR. D. G. BROWNNING) اور ان کے رفقاء کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھے ایسے اچھے موقع پر یاد کیا، اور اتنے دانشوروں، فضلاء اور عزیز طلباء سے ملنے کا موقع فراہم کیا۔

حضرات!

مغربی اقوام اور ممالک میں سے جس قوم اور ملک کا اسلامی دنیا سے اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر ہی میں سب سے پہلے واسطہ پڑا، وہ برطانیہ تھا، مغربی تہذیب، مغربی تعلیم اور سائنس اور ٹکنالوجی کے اوّلین نقیب و علمبردار اور اس کی افادیت وطاقت کے اوّلین مظہر و نمونہ کی حیثیت سے اس نے متعدد مسلم ممالک، بالخصوص ہندوستان کے تحت برِ اعظم اور مصر میں ایک طویل مدّت گزاری (اس قیام کی نوعیت اور اس کے اخلاقی و سیاسی پہلو سے اس وقت بحث کا موقع نہیں) علمی و نفسیاتی طور پر یہ بات بالکل قرین قیاس تھی کہ اس کو اپنی ان نوآبادیات کے اس سب سے طاقتور، زندہ اور فعّال مذہب کے مطالعہ اور اس کی روح کو سمجھنے سے گہری دلچسپی ہوتی جس نے ماضی میں (کئی ہزار برس کی طویل مدّت کے اندر جس کی تاریخ معلوم ہے) دنیا میں سب سے بڑا انقلابی کردار ادا کیا ہے، اور تہذیب و معاشرہ انسانی پر سب سے گہرا اور دیرپا اثر ڈالا ہے، اور یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس نے انسانی تہذیب اور اعلیٰ قدروں کو یکسر فنا ہونے سے بچالیا، اور ان کو زندگی کی ایک نئی اور طویل قسط عطا کی، وہ ایک ایسی خیر پسند طاقت کو وجود میں لے آیا جو تخریبی طاقتوں اور شر سے پنجہ آزمائی کی صلاحیت اور حوصلہ رکھتی تھی، اور اس کو اپنی پیدائش کا مقصد سمجھتی تھی، اس نے

زمانہ کی کلائی توڑنے کے بجائے (جیساکہ بعض پچھلی عسکری طاقتوں اور جابر قبادتوں نے کیا تھا) زمانہ کی کلائی موڑ دی اور تاریخ کا دھارا بدل دیا، اس کی محنتوں اور قربانیوں کے سایہ میں تہذیب انسانی کو آگے کا سفر طے کرنا نہ صرف ممکن بلکہ آسان ہوا، ساتویں صدی مسیحی کی اس دعوت اور جد وجہد نے عقیدۂ توحید کی ایسی عالمگیر اشاعت کی جس کی مثال پچھلی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، شرف انسانی کو بحال کیا، مساوات واخوتِ انسانی کو ذہن میں دوبارہ راسخ کیا اور اس کو ایک بدیہی حقیقت بنادیا، عورت کو اس کے حقوق دلائے، خالق کائنات کے ساتھ ایسا گہرا ربط، اس سے خوف ومحبت اور اس کی عبادت واستعانت کا ایسا قوی جذبہ اور راسخ عقیدہ پیدا کیا جس کی مثال مذہب وروحانیت کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، مالک حقیقی کی رضا وخوشنودی کے لیے بے لوث طریقہ پر رفاہِ عام اور خدمت خلق کے کام کرنے کی تڑپ پیدا کی، اور علم کی خدمت واشاعت اور تصنیف وتالیف کا وہ بے پایاں جذبہ اور حد سے بڑھا ہوا شوق پیدا کیا، جس کے نتیجہ میں وہ عالمگیر علمی تحریک اور وہ عظیم ووسیع کتب خانہ وجود میں آیا، جس کی نظیر پچھلی قوموں میں نظر نہیں آتی، یہ سب وہ تاریخی حقائق ہیں جن کا انکار ممکن نہیں۔

اس سب کا تقاضا تھا کہ برطانیہ میں جا بجا اسلام، قرآن اور سیرت محمدیؐ پر فکر ومطالعہ کے مرکز قائم ہوتے، اور اس کے وسائل

فیاضی کے ساتھ مہیا کیے جاتے، اور اس معروضی (OBJECTIVE) مطالعہ کی ہمت افزائی کی جاتی جو صلیبی جنگوں (CRUSADES) کے محسوس وغیر محسوس اثرات، مشنری اور سیاسی مقاصد اور مفادات سے بے پروا، اور اس احساس برتری سے آزاد ہوتا، جو سیاسی غلبہ اور طاقتور حکومت کا اکثر نفسیاتی نتیجہ ہوتا ہے، اور جو مفتوح اور کمزور قوموں اور ملکوں کے علمی سرمایہ اور معتقدات و مسلّمات کی قدر و قیمت و افادیت پر منصفانہ غور کرنے سے عام طور پر باز رکھتا ہے، یہاں یورپین برطانوی جامعات کے شعبۂ عربی اور شعبۂ مطالعات اسلامی (ISLAMI STUDIES) مغربی ایشیا کی ثقافت و تہذیب (WEST ASIAN CULTRE) کے شعبوں کی افادیت کی تحقیر اور ان کو.... (UNDERRATE) کرنا نہیں چاہتا، لیکن مسئلہ اس سے زیادہ وسیع اور عمیق تھا، اور معاشی و اقتصادی فوائد کے لیے تعلیم حاصل کرنے سے زیادہ خلوص، نظر کی گہرائی اور ذہن و قلب کی وسعت کا طالب تھا۔

لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس ایک صدی سے زائد کی مدت میں نہ صرف برطانیہ اور اس کی نوآبادیوں کے درمیان بلکہ مشرق و مغرب کے درمیان یک طرفہ آمد (ONE WAY TRAFFIC) جاری رہی یعنی مغربی ملکوں نے مشرقی ملکوں کو (خواہ وہ تہذیب و علم کا کتنا ہی قیمتی

سرمایہ رکھتے ہوں) صرف دینے، ان کو پڑھانے سکھانے، اور اپنے کام کا آدمی بنانے ہی کا کام کیا ہے، ان سے کچھ لینے اور ان سے کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی، بلاشبہ اس میں مشرق کی کمزوری، احساس کہتری (INFERIORITY COMPLEX) اور مفتوح و غلام بن جانے سے جو ہیبت و مرعوبیت پیدا ہو جاتی ہے، اور خود اعتمادی کی کمی کو بھی دخل تھا، ان میں اس ایمانی کیفیت، اخلاقی جرأت اور دعوتی روح کا شائبہ بھی نہیں تھا، جس نے ساتویں صدی مسیحی کے اوائل میں جزیرۃ العرب کے ایک شہر کے (جس کا پرانا نام یثرب تھا پھر مدینہ پڑ گیا) ایک بوریہ نشین انسان (روحی فداہ) کو جس کو خدا نے نبوّت کے منصب سے سرفراز کیا تھا، اس کی ہمت دلائی کہ وہ اپنے عہد کے دو سب سے بڑے شہنشاہوں کو جنھوں نے اس وقت کی پوری متمدّن دنیا آبائی جائداد کی طرح آپس میں بانٹ رکھی تھی، یعنی قیصر روم ہرقل اوّل (HERACLIUS I) (۶۱۰-۶۴۱) اور شاہ ایران خسرو پرویز دوم (CHOSROES II) (۵۹۰-۶۲۸) کو وہ خط لکھے جن میں ان کو توحید اور دین حق کی کھلی ہوئی دعوت تھی[1] اس نے اوّل الذکر (قیصر روم) کو قرآن کی یہ آیت لکھی ہے:۔

---

[1] ملاحظہ ہو کتب صحاح و کتب سیر و تاریخ

يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ ٥

(آل عمران ۔ ۶۴)

اے اہلِ کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اس کی طرف آؤ، وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں، اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہدو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (خدا کے) فرمانبردار ہیں۔

اس کا پورا امکان ہے کہ جس دن اس نے یہ خطوط لکھوائے اس دن اس کے گھر میں فاقہ ہو اور رات میں چراغ جلانے کے لیے تیل نہ ہو (کہ اس کے یہاں اکثر یہ ہوتا رہتا تھا) اور اس کے بالمقابل جن بادشاہوں کے نام یہ خطوط گئے ان کے غلاموں کے غلام اور ملازموں کے ملازم بھی بسیار خوری سے مریض ہو گئے ہوں اور ان کے جانور دنیا کی نعمتیں کھاتے ہوں جو اچھے اچھے انسانوں کو میسر نہیں تھیں۔

پھر جب اس دین کے ماننے والے اور اس دین کی دعوت دینے

والے ان ملکوں کے فوجی جنرلوں اور ارکان سلطنت کے پاس پہنچے، جن کا ڈنکا بج رہا تھا، اور انھوں نے پوچھا کہ تم کس غرض کے لیے آئے ہو؟ تو انھوں نے کہا کہ "اللہ نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے کہ ہم اس کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں، دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں، اور مذاہب کی ناانصافیوں سے نکال کر اسلام کے نظام عدل میں داخل کریں[1]"، مجھے ان کے اس کہنے پر حیرت نہیں کہ ہم اس لیے آئے ہیں کہ تم کو بندوں کی بندگی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں داخل کریں کہ وہ اس وقت عقیدۂ توحید کے واحد داعی اور انسانوں کی آزادی کے تنہا علمبردار تھے، لیکن اس پر تعجب ہے کہ ان صحرا نشینوں اور فاقہ مست انسانوں نے ان شخصیتوں سے جو لاکھوں مربع میل زمین پر حکومت کرتی تھیں اور جن کے لیے عیش وتنعّم کے سارے وسائل مہیّا تھے، یہ کیسے کہا کہ ہم تم کو دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں لانا چاہتے ہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان بالانشیں انسانوں کو قابل رشک سمجھنے کے بجائے قابل رحم سمجھتے تھے، اس لیے کہ وہ ان کی نظر میں نفس پرستی کے اسیر، عادات اور خود ساختہ معیاروں کے غلام، اپنے سے کمتر انسانوں کے محتاج،

---

[1] ربعی بن عامر کی گفتگو رستم کے دربار میں، ملاحظہ ہو، البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج۷، ص۳۹ طبع بیروت ۱۹۶۶ء

اور ایک ایسے خوبصورت وخوش نوا پرندہ کی طرح تھے جو سونے کے پنجرہ میں قید ہو۔

ان ایشیائی ومشرقی ممالک سے جو برطانیہ کے زیر اقتدار یا زیر انتظام تھے، جو ذہین وباصلاحیت نوجوان برطانوی یونیورسٹیوں سے استفادہ کے لیے جاتے تھے، ان میں کم ہی لوگ خدا اعتمادی اور خود اعتمادی کے اس جوہر سے متصف ہوتے تھے، جو وہاں کے اگر اساتذہ نہیں تو ہم درجہ طلبہ اور ہم عمر ساتھیوں کو بھی اسلام کے گہرے اور سنجیدہ مطالعہ پر آمادہ کر سکیں، اور جدید تہذیب کی چمک دمک سے ان کی آنکھیں خیرہ نہ ہوں۔

اس موقع پر ناانصافی ہوگی اگر ہم ان چند اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان نوجوانوں کا ذکر نہ کریں جو ان برطانوی جامعات اور ان کے اس نظام تعلیم کے خوشہ چیں تھے، جو ہندوستان میں رائج ہو چکا تھا اور جنھوں نے انگریزی زبان کو اپنے اظہار خیال کا ذریعہ بنایا، اس میں اہل زبان سے داد تحسین حاصل کی اور اس ملک کے متعدد دانشوروں اور محققین نے اس کا اعتراف کیا کہ انھوں نے ان کی معلومات میں اضافہ کیا اور ان کو فکری غذا مہیا کی، ان میں سے ایک رائٹ آنریبل سید امیر علی تھے جن کی کتاب (SPIRIT OF ISLAM) کے متعلق مستشرق (OSBORN) نے لکھا ہے:-

"یہ کتاب یقیناً داد و تحسین کی مستحق ہے، اس کا طرز بیان بتاتا ہے کہ مصنف کو انگریزی پر بھرپور قدرت ہے، کم ایسے اہلِ زبان ہوں گے جو مصنف کے اسلوب کا مقابلہ کر سکیں، یہ اسلوب ان عیوب و نقائص سے پاک ہے جن میں ہندوستان کے انگریزی تعلیم یافتہ عام طور پر مبتلا ہیں، مسلمانانِ ہند کو مبارک ہو کہ ان میں ایسے افراد بھی ہیں، جو اس مقام پر فائز ہیں[1]"

دوسری شخصیت "ڈاکٹر سر محمد اقبال" (کیمبرج) کی ہے، جن کی کتاب "اسرارِ خودی" (SECRETS OF THE SELF) اور رموزِ بے خودی (MYSTERIES OF SELFLESSNESS) کا لندن یونیورسٹی کے نامور پروفیسر مسٹر نکلسن نے انگریزی میں ترجمہ کیا، دسمبر ۱۹۷۷ء میں حکومت پاکستان کے انتظام میں لاہور میں اقبال کا جو صد سالہ جشن منایا گیا، اس میں بتایا گیا کہ ان کے متعلق مختلف زبانوں میں جو مختلف رسائل اور کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کی تعداد دو ہزار سے کم نہیں، جن میں ایک بڑی تعداد انگریزی کتب و رسائل کی ہے۔

---

[1] منقول از "زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث" ڈاکٹر احمد امین بے، مطبوعہ لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر قاہرہ۔

اس موقع پر ہندوستان کے نامور لیڈر، خلافت اور تحریک آزادی کے زبردست نقیب، اس کو عوامی زندگی میں داخل کرنے والے اور میدان میں لانے والے پرجوش اور بہادر مسلمان، انگریزی کے ایک منجھے ہوئے اہل قلم، کامیاب صحافی، اور قادرالکلام مقرر مولانا محمد علی ایڈیٹر (COMRADE) کی بے اختیار یاد آتی ہے، جو آپ کی اسی یونیورسٹی آکسفورڈ کے فارغ تھے، اور جن کے نام کے ساتھ برسوں آکسن (OXON) لکھا جاتا رہا ہے، لیکن یہ چند افراد ان ہزاروں کی تعداد سے متجاوز، ذہین وباصلاحیت نوجوانوں میں (جو ہندوستان سے انگلینڈ تعلیم حاصل کرنے کے لیے جاتے تھے، اور یہاں سے ڈگریاں لے کر آتے تھے) آٹے میں نمک کے برابر ہیں، اس "یک طرفہ کارروائی"، سے دونوں ملکوں کو اسلام کی طرف وہ توجہ نہیں ہوئی، جس کی توقع تھی، ایک طرف برطانیہ کو، جہاں اس کی وسیع ایشیائی نوآبادیات سے ہزاروں کی تعداد میں مسلم نوجوان تعلیم کے لیے آتے تھے، دوسری طرف فرانس کو، جہاں شمالی افریقہ کے زیر اقتدار ملکوں سے سیکڑوں نوجوان آتے تھے، اسلام کی طرف سنجیدگی اور احترام کے ساتھ توجہ کرنے کی نوبت نہیں آئی، اس لیے کہ یہ نوجوان اس جوش، خود اعتمادی، اور دعوتی روح سے خالی تھے، جو ساتویں صدی عیسوی کے عرب کے ناخواندہ یا کم خواندہ عربوں میں پائی جاتی تھی، حالانکہ ان کے اور روم وایران کے

ترقی یافتہ ممالک کے درمیان تہذیب و ترقی کا جو تفاوت اور تناسب تھا وہ اس سے کہیں زیادہ تھا، جتنا ہندوستان و مصر اور شمالی افریقہ کے نوجوانوں کے اور مغربی ممالک کے درمیان تھا، یہ نوجوان مغربی تہذیب و ترقی سے اپنے ہی ملکوں میں آشنا ہو چکے تھے، اور ان کے ملک ساتویں صدی کے جزیرۃ العرب کے برابر پسماندہ اور پست نہیں تھے۔

اس صورت حال نے جس کی ذمہ داری فریقین پر عائد ہوتی ہے، اسلام کا اس سطح سے مطالعہ کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا جس کا وہ مستحق تھا، اور جس کی ہر حال میں اور ہر زمانہ میں ایک نوخیز ترقی پذیر اور حقیقت پسند تہذیب اور معاشرہ کو ضرورت ہوتی ہے، انیسویں صدی کے وسط میں جب سائنس اور ٹکنالوجی نے برق رفتاری کے ساتھ اپنا سفر شروع کیا، اس کا زرّیں موقع تھا کہ مذہب سے (جس کا سب سے زندہ اور توانا نمائندہ اسلام تھا) علم و طاقت کے استعمال کے صحیح مقاصد اور انسانیت کی خدمت کا صحیح جذبہ لیا جاتا، ضبط نفس کی طاقت حاصل کی جاتی اور قومیت (NATIONALISM) اور وطن پرستی سے بالاتر احترام انسانیت اور مساوات اقوام و ملل کا نقطۂ نظر اور طریق فکر پیدا کیا جاتا، اور قوموں اور ملکوں کے درمیان طاقت کے مظاہرہ کی اس مجنونانہ ریس سے پرہیز کیا جاتا،

جس نے دنیا کو اس وقت خودکشی و خودسوزی کے مقام پر کھڑا کردیا ہے، اور جن کے ہاتھ میں دنیا کی قیادت تھی ان کے کان اس صدا سے آشنا ہوتے کہ :-

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ	وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے)
نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا	ہم نے اسے ان لوگوں کے لیے
يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي	(تیار) کر رکھا ہے جو زمین میں
الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَا	سربلندی اور فساد کا ارادہ نہیں
قِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ہ	کرتے، اور انجام (نیک) تو
(سورۂ قصص - ۸۳)	پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

اگر سائنس اور ٹکنالوجی کے ساتھ، خوفِ خدا اور احترامِ انسانیت اور غیر محدود طاقتور وسائل کے ساتھ صالح مقاصد، اور جذبۂ مسابقت کے بجائے جذبۂ تعاون پیدا ہوتا (جو صرف ایک زندہ اور حیات بخش مذہب ہی عطا کرسکتا ہے) تو آج دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور ان متحارب مشرقی و مغربی کیمپوں کے بجائے جن کی باہمی رقابت نے تہذیبِ انسانی بلکہ نسلِ انسانی کے فنا ہو جانے کا ہر وقت خطرہ پیدا کردیا ہے، یہ دنیا ایک خوش اسلوب خاندان کی طرح زندگی بسر کرتی لیکن مادی علوم، سائنس اور ٹکنالوجی اور پھر سیاست (POLITICS) کی بے قید اور آزاد ترقی نے دنیا کو اپنے ہی خنجر

سے خودکشی کرنے کے خطرہ سے دوچار کردیا ہے، اور اقبال کے بقول ؎

وہ فکرِ گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بیتاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

حضرات!

ہمیں ماننا پڑے گا کہ ہماری جدید تہذیب اور موجودہ فکری قیادت معاشرۂ انسانی کی ذمہ داریاں سنبھالنے والے افراد تیار کرنے اور انسان کی سیرت سازی میں بُری طرح ناکام رہی ہے، وہ سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرسکتی ہے، وہ خلا میں سفر کرنے کے لیے محفوظ و سریع السیر آلات تیار کرسکتی ہے، وہ انسان کو چاند اور سیاروں پر پہونچا سکتی ہے، وہ ذراتی طاقت سے بڑے بڑے کام لے سکتی ہے، وہ ملک سے غربی دور کرسکتی ہے، وہ علم و ہنر کو آخری نقطۂ عروج پر پہنچا سکتی ہے، وہ پوری کی پوری قوم اور ایک ملک کی آبادی کو خواندہ و تعلیم یافتہ بنا سکتی ہے، اس کی ان کامیابیوں اور فتوحات سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں، لیکن وہ صالح اور صاحبِ یقین افراد پیدا کرنے سے بالکل عاجز ہے، اور یہی اس کی سب سے بڑی ناکامی اور بدقسمتی ہے، اور اسی وجہ سے صدیوں کی محنتیں ضائع اور برباد ہو رہی ہیں، اور ساری دنیا مایوسی اور انتشار کا شکار ہے، اور اب اس کا سائنس اور علم پر سے بھی اعتقاد اٹھ رہا ہے، اندیشہ ہے کہ دنیا میں ایک شدید ردّ عمل کی

تحریک اور علم و تمدّن کے خلاف بغاوت کے دور کا آغاز ہو جائے، فاسد افراد نے معصوم اور صالح وسائل وذرائع کو بھی فاسد بلکہ آلۂ فساد وتخریب بنا دیا ہے، فاسد اور کمزور تختوں سے کوئی صالح اور مضبوط سفینہ تیار نہیں ہو سکتا، یہ بالکل مغالطہ اور خام خیالی ہے کہ فاسد تختے علاحدہ علاحدہ فاسد کمزور اور ناقابلِ اعتماد ہیں، لیکن جب ان کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا جائے، اور ان سے کوئی سفینہ تیار کیا جائے تو ان کی قلب ماہیت ہو جاتی ہے، اور وہ صالح بن جاتے ہیں، رہزن اور چور علاحدہ علاحدہ تو رہزن اور چور ہیں، لیکن جب وہ اپنی جماعت بنالیں تو پاسبانوں اور ذمّہ دار انسانوں کی ایک مقدّس جماعت ہے، نئی فکری قیادت نے جو افراد دنیا کو عطا کئے ہیں، وہ ایمان ویقین سے خالی، ضمیر انسانی سے عاری، حاسّۂ اخلاقی سے محروم، محبّت وخلوص کے مفہوم سے ناآشنا، انسانیت کے شرف واحترام سے غافل ہیں، وہ تو لذّت وعزّت کے فلسفہ سے واقف ہیں یا صرف قوم پرستی اور وطن دوستی کے مفہوم سے آشنا ہیں، اس نوعیت اور صلاحیت کے افراد خواہ جمہوری نظام کے سربراہ ہوں، یا اشتراکی نظام کے ذمّہ دار کبھی کوئی صالح معاشرہ پُر امن ماحول، اور خدا ترس اور پاکباز سوسائٹی قائم نہیں کر سکتے، اور ان پر خدا کی مخلوق اور انسانی کنبہ کی قسمت کے بارے میں کبھی

اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

حضرات!

ایک ایسے نازک مرحلہ میں کہ ایک ملک کی قسمت ہی نہیں، انسانی تہذیب زوال وفنا کے خطرہ سے دوچار ہو، معتدل و محتاط کوششوں اور متوسط سطح کے اصلاحی و تعلیمی کام کرنے والوں سے کام نہیں چل سکتا، معتدل و پرسکون (NORMAL) حالات میں ان کی افادیت سے انکار نہیں، لیکن ایک ایسے غیر معتدل حالات میں کہ انسانیت موت وحیات کے دوراہے پر جاکر کھڑی ہوگئی ہے، اعلیٰ درجہ کی اخلاقی جرأت، قربانی، خطر پسندی اور مہم جوئی اور "عبقری" (GENIUS) انسانوں کی ضرورت ہے، اور انھیں لوگوں نے ہر دور میں تہذیب انسانی کو موت کے منہ سے نکال لیا ہے، آپ مجھے معاف کریں، وہ مغرب جس نے ماضی میں علوم عمرانیہ (SOCIAL SCIENCES) سائنس وصنعت اور سیاست ونظم حکومت میں بڑی قدآور شخصیتیں پیدا کیں، جنھوں نے اپنی کاوش وکوشش سے دنیا کا نقشہ بدل دیا، ساری دنیا نے ان کی برتری تسلیم کرلی، اور ان کی محنتوں اور تجربوں سے فائدہ اٹھانا ضروری سمجھا، اس مغرب کی فضا پر عرصہ سے جمود طاری ہے، وہاں اب تہذیب ومعاشرۂ انسانی کی نئی قیادت کے لیے اور سائنس اور ٹکنالوجی کا رخ تخریب سے تعمیر کی طرف موڑنے اور

ضبط نفس کی قوت پیدا کرنے، معاشرہ کو بے نظمی بلکہ نبرد آزمائی سے بچانے کے لیے اور حریف طاقتوں اور متحارب کیمپوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے، جن انقلابی شخصیتوں اور جس "ادائے قلندرانہ" اور "جرأت پیمرانہ" کی ضرورت ہے، اس سے مغرب عرصہ سے خالی ہے، آج سے پون صدی پہلے مغربی علوم کے فاضل اور مغرب میں طویل قیام کرنے والے مفکر اقبال نے مغربی تہذیب اور ماحول کے متعلق کہا تھا ؎

یاد ایامے کہ بودم در خمستان فرنگ　　جام او روشن تر از آئینہ اسکندر است
جلوہ ادبے کلیم و شعلہ ادبے خلیل　　عقل ناپروا، متاع عشق را غارت گر است

در ہوایش گرمی یک آہ بے تابانہ نیست
رند ایں میخانہ را یک لغزش مستانہ نیست[1]

اقبال یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مغرب میں خدا کی معرفت کے اسباب اور اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں، لیکن کوئی ایسا باتوفیق انسان نہیں، جو آسمانی تعلیمات سے فیضان و عرفان حاصل کر کے "شان کلیمی" کے ساتھ دعوت الی اللہ اور خلق کی ہدایت کا کام انجام دے، یہاں مادیت کا طوفان اور "اَنَا اُحْیِیْ وَاُمِیْتُ"[2] (میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں) کے

---

[1] پیام مشرق ص۲۴۸ - [2] یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے بادشاہ اور "ور" کے حاکم نے کہا تھا جس کو عام طور پر "نمرود" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

مدعی موجود ہیں، لیکن ابراہیم خلیل اللہ کا سچا پیرو نہیں جو اس کے ماننے سے صاف انکار کر دے اور اعلان کرے کہ "رَبِّیَ الَّذِی یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ" (میرا پروردگار ہی ہے جو جلاتا اور مارتا ہے) پھر امتحان کی آگ میں بے محابا کود پڑے اور اس کو گل وگلزار بنا دے۔

یہاں کی فضا جو چمنیوں کے دھویں اور معاشی سرگرمی سے گرم معلوم ہوتی ہے، حقیقتاً ایسی یخ بستہ ہے، جس میں سوز دل اور آہِ بیتاب ناپید ہے، یہاں کی ذہانت دولت عشق کی دشمن اور متاعِ قلب کی رہزن ہے، اس میخانہ کا رند بھی اگر سرمستی میں گرتا ہے تو پہلے سے اس کا حساب لگالیتا ہے، اور اس کے نتائج کو سوچ لیتا ہے، یہ وہ لغزش مستانہ نہیں جس نے بارہا عہد قدیم کے عقلاء وحکماء کو اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرنے اور سرمستِ خواب دنیا کو چونکا دینے کا کام کیا، یہ ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے ماتحت اور عقل وخرد کے پہرہ کے درمیان ایک اقدام ہے، جس سے رفتار زمانہ اور فضائے میخانہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اب تہذیب انسانی اور خود مغرب (جس کا ایک معزز فرد برطانیہ بھی، جو عزم وہمت، ذہانت اور حوصلہ مندی کی ایک شاندار تاریخ رکھتا ہے) کو بچانے کے لیے ایسے ہی بے تعصب، حقیقت پسندانہ، اور قلندرانہ، نئی فکری، علمی وانقلابی جد وجہد کی ضرورت ہے، جو اس

جاں بلب تہذیب اور بر سرمرگ معاشرہ میں زندگی کی نئی روح پھونک دے، اور اس کے لیے دنیا میں باقی رہنے کا جواز و استحقاق پیدا کردے، اس سلسلہ میں ملک کی دانش گاہیں، مطالعاتی و فکری مرکز مصنفین واہل قلم اور فکری رہنما سب سے بڑا کردار ادا کرسکتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ زیر تجویز اسلامک سنٹر جو ایک موزوں مقام اور صحیح وقت میں قائم ہو رہا ہے، اس سلسلہ کی ایک کڑی اور اس سمت سفر میں ایک سنگ میل ثابت ہوگا، یہی توقع مجھے اپنی کمزوری اور شدید مصروفیت کے باوجود یہاں لائی، اور اس مؤقر تقریب میں شرکت پر آمادہ کیا۔

آخر میں میں پھر آپ کا اس اعزاز و اعتماد کے لیے شکریہ ادا کرتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ جس اسلامی مرکز (ISLAMIC CENTRE) کے قیام کے مسئلہ پر غور کرنے اور اس کے وسائل سوچنے کے لیے دعوت دی گئی ہے، اور تمہیدی طور پر اس کے لیے یہ مجلس منعقد کی گئی ہے، وہ اپنا فرض خوش اسلوبی سے انجام دے، اور اس سے وہ توقعات پوری ہوں جو اس کے قائم کرنے والوں اور خیر سگالوں نے قائم کی ہیں۔